ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.7,Issue No.1 (2025)
(January to March)

# پریم رتن وہرہ کی یادداشتیں "اٹک سے بمبئی تک" میں ہجرت اور فسادات کی پیشکش

# Prem Ratan Vohra's memoir "From Attock to Bombay" Presents the themes of Migration and Riots

**طارق محمود**
پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، دی اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور
**ڈاکٹر سجاد نعیم**
صدرِ شعبہ اُردو، ایمرسن یونیورسٹی، ملتان

Tariq Mehmood
Ph.D Scholar, Department of Urdu, The Islamia University, Bahawalpur
Dr. Sajjad Naeem
Head of Urdu Department, Emerson University, Multan

**Abstract:**
Praim Ratan Vaheera s autobiography "Atak se Bombai Tak" is one of the fine memoir which shows the emotional journey of love and departing from his land. Praim Ratan Vahera is a Non-Muslim person who migrated from Pakistan to India in 1947. This autobiography has a literary and historic impact. It depicts the glimpse of bloodedness, Rebellion, Refuges Camp, Laws, Justice, Rights, Hates and Love. In his autobiography author discussed in detail human relations and psyche in the times of partition, which presents a different picture of narrative. It deals with real facts and ever lasting memories of motherland.

**Keywords:** autobiography, emotional journey, migration, partition, human relations, motherland.

تقسیمِ ہند کے بعد بہت سی آپ بیتیاں ایسی شائع ہوئیں جن میں بے گھری، بکھراؤ، انتشار، ٹوٹ پھوٹ کا احساس ایک مشترکہ دکھ بن کر سامنے آیا۔ موجودہ پاکستان سے ہندوستان جانے والوں نے اور ہندوستان کے مختلف علاقوں سے پاکستان آنے والے کبھی اس ہجرت کے کرب سے باہر نہیں آسکے۔ وہ اپنے آبائی علاقوں سے دور تو ہوئے ہی لیکن اس دوران سماج کا جو چہرہ انہوں نے دیکھا اس کا وہ تصور بھی نہیں کرسکتے تھے۔ وہ جن کو وہ بہت مان سے اپنا کہتے تھے ان کے خلاف ہوگئے۔ اس دکھ اور کرب نے انہیں ایک ہیجان میں مبتلا کر دیا۔ تقسیم ہند کے بعد اردو افسانہ ناول میں ہجرت کا موضوع ایک بڑا موضوع بن کر سامنے آیا جس نے فکشن میں ایک نئے رجحان کو جنم دیا۔ فکشن کے متوازی یہی موضوع آپ بیتی میں زیادہ نمایاں ہو کر سامنے آیا جس پر ناقدین نے کم توجہ دی ہے۔

ایسی ہی ایک آپ بیتی پریم رتن وہرہ کی "اٹک سے بمبئی تک" کے عنوان سے ۲۰۲۳ء میں سامنے آئی جس میں مصنف کی شخصیت اور تقسیم ہند کے وقت، سماجی صورت حال، لسانی تضادات، زندگی کا جبر، ناانصافی اور جدوجہد کا ایک نیا رخ ابھر کر سامنے آیا

ہے۔ یہ آپ بیتی ۱۹۷۷ء میں بمبئی سے محدود تعداد میں شائع ہوئی تھی جسے اب راشد اشرف نے اہتمام کے ساتھ اٹلانٹس پبلی کیشنز کراچی سے شائع کیا ہے۔ آپ بیتی کے آغاز میں کرشن چندر پیش لفظ میں پریم رتن وہرہ کا تعارف یوں کرواتے ہیں:

> "کیا کچھ نہیں دیکھا پریم رتن نے اپنی زندگی میں غیر منقسم ہندوستان کے صوبہ سرحد میں اس نے اپنی زندگی شروع کی۔ اس وقت اس کا نام جگدیش تھا۔ ایک دن اس کے پتا جی نے کسی بات پر اس کی جو پٹائی کی تو گھر سے بھاگ نکلا اور ملٹری کی سپلائی کور میں بھرتی ہو گیا۔ ملٹری سے جی اکتایا تو بمبئی کو فلم نگری میں قسمت آزمانے آنکلا۔ وہاں سے مایوس ہوا تو پھر واپس فوج میں جا کر گوہاتی (آسام) چلا گیا اور انگریز اور امریکی فوجیوں کے کردار کا غور سے مطالعہ کرتا رہا۔ وہاں سے کسی بات پر برگشتہ خاطر ہو کر پھر بمبئی چلا آیا۔ بمبئی میں جب تک رہا تو بمبئی سے پاکستان جانے والے مہاجروں کی مدد کرتا رہا پھر جانے اس کے جی میں کیا آئی کہ بمبئی سے کراچی چلا آیا۔" (۱)

پریم رتن وہرہ کی زندگی ہندوستان کے کئی شہروں میں گزری۔ وہ کراچی، اٹک، چکوال اور بمبئی میں رہے۔ وہ ایک حساس اور دردِ دل رکھنے والے انسان تھے۔ وہ جہاں بھی رہے لوگوں کی مدد کرتے رہے۔ وہ مریض ہوں، روزی روٹی کو ترستے غریب ہوں، مسافر ہوں یا ہجرت کے سفر پر جانے والے انہوں نے لوگوں کی آگے بڑھنے میں معاونت کی۔ وہ کبھی بمبئی کے نواح میں کرسچن آبادی کے مفلسوں کے لیے سینہ سپر ہو جاتا ہے تو کبھی سندھی شرنارتھیوں پر ظلم کرنے والے حکمرانوں کے خلاف آواز اٹھاتا ہے۔ سماجی حقوق کے تحفظ میں جیل بھی گئے لیکن عمر بھر ظلم، استحصال اور جبر کے خلاف احتجاج کرتے رہے۔ اس سفر میں انھوں نے تلخ حقائق کا سامنا کیا۔ ان کی جدوجہد اس سوانح عمری کا ایک روشن پہلو ہے۔

آپ بیتی میں اپنی زندگی کے بارے میں پورا سچ لکھنا سب سے مشکل پہلو ہے۔ بہت سے وہ لوگ جو عملی زندگی میں کامیاب ٹھہرے انہوں نے اپنی آپ بیتیوں میں زندگی کے کئی حصوں کو نظر انداز کر دیا یا سرسری انداز میں لکھا جس سے ان کی آپ بیتی میں وہ تاثر قائم نہیں ہو سکا جو قاری کو اس سے جوڑ دے۔ آپ بیتی کے عمدہ ہونے کی یہ دلیل ہے کہ مصنف کسی ایک رُخ کو ہی بیان نہ کرے بلکہ وہ زندگی میں جہاں سب سے زیادہ کمزور ہوا ہے اس کا اظہار ضروری ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

> "آپ بیتی قلم بند کرنے والے اور اس کے قارئین میں کسی قسم کا بھی قلبی تعلق اور ذاتی رشتہ نہیں ہوتا۔ قاری آپ بیتی کا مطالعہ اس توقعہ پر کرتا ہے کہ دیکھیں کیا گزری تھی قطرے پر گہر ہونے تک۔ اس لیے حقیقی ہونے کے باوجود بھی اسے محض حقیقی نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس میں چڑے دگر بھی ہونی چاہئے۔ شاید یہ مثال پسندیدہ نہ ہو دال بغیر بگھارے بھی کھائی جاسکتی ہے لیکن گھی کے بگھار سے اس میں جو فلیور پیدا ہو جاتا ہے وہ اسے زیادہ لذیز اور دل پسند بنا دیتا ہے۔ یہی کام آپ بیتی کا بھی ہونا چاہئے کہ واقعات اور کوائف کے بیان کے ماوراد لچسپی کا فلیور بھی ملے۔" (۲)

جس انداز سے پریم رتن نے اپنی سوانح حیات بیان کی ہے وہ بے حد دلچسپ اور دل پسند ہے۔ ان کے انداز بیان میں روانی اور ادبی سلیقہ موجود ہے۔ قاری ایک بار اسے بڑھنے کے لیے اٹھالے تو پھر رکھ نہیں سکتا۔ اس میں شوخی، کھلنڈرا پن، بے باکی،

درد مندی، کرب، دکھ، ہیجان، بے چارگی ہے۔ کہیں حسرتیں منہ کھولے کھڑی ہیں تو کہیں امیدوں کے محل ہیں۔ اس آپ بیتی کی ایک ایک سطر میں ایک تازگی ہے جو آپ کو اپنے ساتھ بہالے جاتی ہے۔

اس داستان حیات کا آغاز ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے ہوتا ہے برصغیر کی تاریخ میں یہ دن وحشت اور بربریت کی ایسی مثال ہیں جن کے بھیانک سائے نے کئی نسلوں کے بعد بھی پیچھا نہیں چھوڑا۔ وہ لوگ جو اس سے براہِ راست متاثر ہوئے ایک طرح کے پتھر کے بت میں تبدیل ہو گئے کہ ان کی زندگی ماضی کا کوئی ایسا صیغہ بن کر رہ گئی جس کو وہ ہر روز پڑھتے تھے ہر روز اسے پھاڑ پھینکتے تھے۔ یہ صفحہ ہر روز آنسوں سے تر ہوتا تھا لیکن صبح پھر کسی درخت کی طرح ان میں اگ آتا تھا۔ اس تاریخ سے وہ نسل بھی اتنی ہی متاثر ہوئی جنہوں نے خود ہجرت نہیں کی لیکن ان کے والد، والدہ یا دیگر بزرگوں نے کی۔ انہوں نے ہر روز اپنے گھر میں ماتم دیکھا اور اپنے پیاروں کو اپنے گھروں، کھیتوں، قصبوں اور دوستوں کے لیے روتے دیکھا جو ان کی زندگیوں میں پھر کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ ہر سچا فن پارہ اپنے مخصوص عہد کا ترجمان ہوتا ہے۔ وہ اس مخصوص تہذیب اور روایت کو سامنے لاتا ہے جو اس عہد کو پھر سے زندہ کر دیتی ہے یہ آپ بیتی بھی تقسیم ہند کے بھیانک خواب کو ہماری آنکھوں کے سامنے پھر سے لے آتی ہے جہاں آزادی اور تقسیم کا جوش انسانیت کے خاتمے پر تلا ہوا تھا۔ جہاں لوگوں کے جسموں کو بوحلے ہوئے گوشت میں بدل چکی تھی۔ علم الدین سالک لکھتے ہیں:

> "ہر دور میں اپنی مخصوص تہذیب رکھتا ہے۔ اس کے بنیادی خدوخال تو صدیوں کے بعد تبدیل ہوتے ہیں مگر وہ عی چیزیں ہر دور اور ہر زمانے میں بدلتی رہتی ہیں۔ ان کی نشاندہی عام تاریخی کتابیں نہیں کر سکتیں۔ ہمیں ان کے لیے آپ بیتیوں کی طرف رجوع کرنا ہو گا کیونکہ ان کی مدد سے ہم ایک قوم ایک ملت اور ایک ملک کی تہذیب کی ابتدا اور عہد بہ عہد برتوں کا اندازہ کر سکتے ہیں۔"(۳)

کسی بھی آپ بیتی کی طرح پریم رتن کی آپ بیتی کا وہ حصہ جو بچپن کا احاطہ کرتا ہے خوبصورت ہے۔ انسان وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنے بچپن کو شدت سے یاد کرنے لگ جاتا ہے چاہے وہ اچھا نہ بھی گزرا ہو۔ یہاں وہرہ بھی ہمیں اپنے بچپن کی شوخیوں، شرارتوں اور آرزوؤں سے متعارف کرواتے ہیں۔ وہ ملتان سے فوجی وردی پہن کر نکلتا ہے تو کبھی بمبئی فلمی اسٹوڈیوز کے سامنے اپنے خواب ہاتھوں میں لیے کھڑا ہے، کبھی آسام کے جنگلوں میں اداس بیٹھا ہے تو کبھی پیشہ ور عورتوں کے چنگل میں، کبھی کراچی میں شرنارتھیوں کے مسائل حل کرتا ہے تو کبھی بمبئی کی کچی آبادیوں میں۔ پریم رتن کا عہد بڑا ہنگامہ خیز تھا لوگوں میں جڑت تھی ہر واقعہ کے ساتھ چند افراد ہی نہیں ہجوم اور طبقات وابستہ ہو جاتے تھے۔ رتن وہرہ اپنی زندگی کی داستان میں خوشی اور غمی کے سب دور شامل کرتے ہیں جو اس کی آپ بیتی کو ایک متوازن آپ بیتی بنا دیتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی:

> "آپ بیتی مخصوص احوال یا واقعات کا مجموعہ نہیں ہوتی بلکہ اکثر واقعات لکھنے والے کی کیفیتوں، دلی احساس، شخصی اور عملی تجربوں، زندگی کے جذباتی پہلوں اور بحیثیت مجموعی زندگی کے بارے میں اس کے نقطہ نظر کی ترجمانی کرتی ہے۔"(۴)

پریم رتن کی آپ بیتی میں مرکزی حصہ تقسیم ہند سے جڑا ہے۔ جو واقعات ان کی آنکھوں کے سامنے رونما ہوئے اور وہ شخصی طور پر اس عمل کو کس طرح دیکھتے ہیں۔ اس آپ بیتی میں دکھ اور انسانیت کا ایک منفرد پہلو ہمارے سامنے آیا ہے۔ جو ہمیں تقسیم ہند

اور یہاں سے جانے والوں کے بارے میں ایک ایسا رخ دکھاتی ہے جو ہمارے عمومی نصاب اور گفتگو جو سامنے نہیں آتا۔ آپ بیتی کے آغاز میں ہی وہ ایک ایسی رائے قائم کرتے ہیں جو ہمیں پس دیوار دیکھنے پر مجبور کرتی ہے۔ یہ اقتباس دیکھئے:

"۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کے بعد ہندوستان آزاد ہو گیا لیکن وطن بٹ گیا۔ ہم بھول چکوال میں رہتے ہیں لیکن اب نہیں رہ پائیں گے کیونکہ دیس آزاد ہو گیا ہے۔ انسانیت کا سہاگ اجڑ چکا ہے۔ صلیب پر سچ کی روح تلملا رہی ہے لیکن موت کسی پاگل کتے کی طرح چیختی چلاتی ادھر سے ادھر فراٹے بھر رہی ہے۔ کوچہ بازار میں شور وہنگامے اپنے پورے ابھار پر ہیں۔ سیطانی قہقہے ہر طرف گونج رہے ہیں۔"(۵)

پریم رتن وہوہ نے تقسیم ہند کے وقت قتل وغارت، تشدد اور عصمت دری کے جو واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھے اس سے ان کا اعتماد انسانیت سے اٹھ گیا۔ موت کسی پاگل کتے کی طرح بازاروں میں دوڑ رہی تھی۔ ماؤں کی مامتا، بہنوں کا پیار اور محبوب کی زلفوں کو سر بازار ننگا کر دیا گیا۔ پھولوں جیسے بچوں کو نیزوں پر اچھالا گیا۔ دھرتی خون سے رنگی گئی۔ درختوں سے لاشیں جھول رہی تھیں۔ پانی کے کنوے لاشوں سے اٹے تھے۔ راستوں میں انسانی اعضا بکھرے پڑے تھے۔ آن کی آن میں کسی دوشیزہ کا سر برہنہ کر دیا جاتا تو کسی جوان کے پیٹ میں چھرا گھونپ دیا جاتا گھروں کو آگ لگا دی گئی۔ ہر طرف سلگتے بھسم ہوتے مناظر تھے جن کی تاپ پریم رتن کی آنکھیں نہیں لا یا رہیں تھیں۔ وہ وطن جو ان کا اپنا تھا جہاں وہ پاؤں چلنا سیکھا، جہاں اس نے دوست بنائے، جس مٹی سے پیار کیا آن کی آن میں پرایا ہو گیا۔ ہر آنکھ اجنبی ہو گئی ہر طرف سے اور ان کے اندر سے یہی آواز بلند ہوئی کہ ہندوستان چلے جاؤ۔ یہاں کس سے پناہ مانگیں کدھر جائیں۔ وہ گھر جہاں چولھے کی مہک ہر صبح اسے ایک نئی خوشبو دیتی تھی۔ وہ گلیاں جہاں کھیلتے کھیلتے وہ بڑا ہوا تھا اس سے بچھڑنے والیں تھیں۔ پریم رتن یہاں اپنے وطن کی یاد میں ایک نظم لکھتے ہیں جس سے ان کی اپنے وطن سے جڑت اور محبت کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔

"یہ جھومتی رقص کرتی فضائیں
یہ میوؤں سے لدے بھرے درخت
یہ کشادہ سینے
یہ دمکتے چہرے
یہ سرمئی پہاڑیاں
یہ گنگناتے جھرنے
یہ سبزہ زار
نہیں نہیں میں انہیں نہیں چھوڑ سکتا"(۶)

پہلا دکھ جو ہمیں اس آپ بیتی میں نظر آتا ہے وہ اپنے گھر کو چھوڑنے کا ہے۔ اس کرب سے اس وقت وہ تمام غیر مسلم گزر رہے تھے جو پاکستان کے مختلف علاقوں میں آباد تھے۔ عام طور پر ہمیں ہندوستان سے آنے والے مہاجرین کے دکھ سنائے اور پڑھائے جاتے ہیں۔ لیکن اس خطے سے آبادی کا انخلا پر امن نہیں تھا۔ کسی بھی محب وطن کے لیے اپنا علاقہ چھوڑنا اپنے جسم کو چھوڑنے جیسا ہوتا ہے اور اسی دکھ کو پریم رتن محسوس کر رہے تھے۔ ان کے ذہن میں بہت سے سوالات سر اٹھا رہے تھے کہ یہ ہجرت ان کے

حصے میں ہی کیوں آئی ہے۔ یہ کیسا انصاف ہے کہ کسی کے جرم کی سزا انہیں مل رہی ہے۔ وہ اپنا دل اپنے ہاتھوں سے نوچ کر کیسے پھینک سکتے تھے۔ وہ اپنے ہی ہاتھ سے اپنے گھر کو کیسے آگ لگا سکتے تھے۔ لیکن موت ان کے دروازے پر دستک دے رہی تھی۔ موت یا ہجرت ان میں سے ایک کا فوری انتخاب کرتا تھا۔ پھر ان کے ذہن میں یہ سوالات مزید گہرے ہوتے چلے گئے کہ وہ ہجرت کریں تو کس کے لیے، شاید آنے والی نسلوں کے لیے۔ اپنے بچوں کے لیے انہیں یہاں سے جانا پڑے گا۔ پریم رتن دل پر پتھر رکھ کر یہاں سے جانے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ وہ اپنے والد کو قائل کرتے ہیں اور سوچ میں پڑ جاتے ہیں کہ کیا سامان لے کر جائیں اور کیا چھوڑیں۔ جو یہاں رہ جائے گا وہ ان کی روح ہو گی ان کا دل ہو گا۔ اگرچے یہ پریم رتن وہرہ کی کہانی ہے لیکن یہ ایک اجتماعی صورتحال کی عکاسی کرتی نظر آتی ہے۔ اس وقت پاکستان سے جانے والے غیر مسلم افراد کے ساتھ ہی بیت رہی تھی۔ وہ نسل جو یہاں سے جا رہی تھی۔ ان کی زندگیوں میں ایک طوفان آ چکا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جو صرف اپنے علاقوں سے جڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے بہت سے کبھی اپنے گاؤں اور شہر سے دور نہیں گئے تھے اور اب ملک بدری درپیش تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جو گھر کے آنگن میں لگے درختوں کو بھی نہیں کاٹتے تھے۔ پرندوں، مویشیوں سے بھی وہی جڑت رکھتے تھے جو ان کی اپنے گھر اور گھر والوں سے تھی۔ ہجرت کے وقت پریم رتن کے گھر میں سامان بکھرا پڑا ہے۔ وہ اپنے والد کی کیفیت کی عکاسی یوں کرتے ہیں۔

> "آنگن میں سارا سامان بکھرا پڑا ہے۔ کچھ لوگ آنکھوں میں آنسو لیے سر جھکائے کھڑے ہیں۔ پتاجی مختلف چیزیں اٹھا اٹھا کر دے رہے ہیں۔ جیسے ان چیزوں سے ان کا تعلق دور کا بھی نہیں۔ وہ پریشان بھی نہیں۔ چہرے پر غم کے نقوش بھی گہرے نہیں ہیں دیکھنے سے ایسے لگتا ہے جیسے ان کی روح کہیں کھو گئی ہے اور وہ اس کی تلاش میں کہیں دور نکل گئے ہیں۔ سارے ماحول پر گہری خاموشی چھا چکی ہے۔"(۷)

پریم رتن وہرہ گھر سے رخصتی، ریلوے اسٹیشن پر لوگوں کی بھیڑ اور آنسوں کے سیلاب کی عکاسی اس انداز سے کرتے ہیں کہ قاری آج سات دہائیاں گزر جانے کے بعد بھی اس دکھ کو اتنی ہی شدت سے محسوس کرتا ہے۔ لوگوں کے قدم لڑکھڑا رہے ہیں۔ ان کی آنکھیں پتھر کی ہو چکی ہیں۔ وہ اس قدر حیرانی سے ان راستوں کو دیکھ رہے ہیں جہاں اب وہ لوٹ کر کبھی نہیں آئیں گے۔ وہ بے یقینی کی کیفیت میں ہیں کہ شاید یہ کوئی بھیانک خواب ہے جو کسی بھی لمحے ٹوٹ سکتا ہے۔ اسے ٹوٹ جانا چاہئے تاکہ وہ اس سے آگے کے مناظر نہ دیکھ سکیں۔ ایک بے چینی کا احساس بار بار ابھر رہا ہے۔ چاند گھروں کی چھت سے ان کو دیکھ رہا ہے۔ اس کی چاندنی آج کوئی ٹھنڈک نہیں دے رہی۔ بچے اب سر شام بستروں میں دبک جاتے ہیں وہ کسی کہانی یا کھیل کی فرمائش نہیں کرتے۔ کھانے پینے کی کوئی سدھ نہیں کوئی ہوا کا تیز جھونکا آئے تو یہ لوگ اپنی بدحواسی سے چانک پڑتے ہیں کہ وہ کدھر جا رہے ہیں۔ انہیں کدھر جانا ہے، وہ کون لوگ ہیں، کہاں سے آئے ہیں۔ وہ ادھر کیوں جا رہے ہیں، وہ یہاں سے کیوں جا رہے ہیں۔ کوئی انہیں روک کیوں نہیں رہا۔ یہ وہ آوازیں تھیں جو ان کے اندر طوفان اٹھا رہیں تھیں لیکن باہر سکوت تھا جیسے ٹرین کی آواز نے توڑ دیا۔ گھر سے نکلتے وقت جب پریم رتن کا باپ حیرت بھری نظروں سے گھر کو آخری بار دیکھ رہا تھا کہیں سے گولیاں چلیں اور ان کی ٹانگوں اور دھڑ سے سرخ سرخ خون نکل کر ان کے آنگن میں پیوست ہو گیا۔ ہر طرف لاشیں ہیں۔ برہنہ عورتیں ہیں۔ انسانیت شرما کیوں نہیں رہی۔ شور ہے کہ پاکستان سے آنے والی ٹرین انسانی لاشوں سے بھری ہے اور جو ٹرین مہاجروں کو لے کر پاکستان جا رہی تھی خالصہ کالج کے قریب لوٹ لی گئی۔ جو لوگ بچ

گئے تھے وہ خود سے شرم سار تھے۔ مذہب کے نام پر خون کی ہولی کھیلی جارہی تھی۔ پریم رتن ۳۰ ستمبر کو دہلی میں ہندوستان کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کی ایک تقریر کا اقتباس دیکھئے:

> "میں اس بات سے اچھی طرح باخبر ہوں کہ پاکستان میں جو کچھ الم ناک حادثے ہوئے اس میں ذمہ دار شخصیتوں کا کتنا ہاتھ ہے۔ چاہتا ہوں کہ حکومت پاکستان سے اس سلسلے میں باز پرس کی جائے کہ وہ اقلیتوں کے تحفظ میں کیوں ناکام رہی ہے لیکن میرے ہاتھ مفلوج کر دیے گئے ہیں۔ کیونکہ وہی دردناک مناظر خود ہمارے ملک میں بھی پیش آئے ہیں۔ ان حالات کے پیش نظر کیا منہ لے کر میں پاکستان کے خلاف کوئی اقدام کر سکتا ہوں۔"(۸)

ظلم اور بربریت کا بازار دونوں ملکوں کے سرحدی علاقوں میں گرم تھا جو لوگ جان بچا کر کسی طرح اپنے علاقوں سے نکلنے میں کامیاب ہوئے راستوں میں لوٹ لیے گئے۔ راستوں سے بچے تو سرحدی کیمپوں میں گلنے سڑنے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ موت نے جن کو آسودہ کر دیا اور وہ جو پل پل مر رہے تھے سسک رہے تھے۔ ایسے ہی ایک مہاجر کیمپ امرتسر کے بارے میں پریم رتن لکھتے ہیں۔

> "یہ دیکھئے یہ امرتسر کا ایک مقامی کیمپ ہے۔ یہ بدنصیب بڑھیا جو مرض کالرا (ہیضہ) کا شکار ہے اس کا سارا خاندان فسادات کی نذر ہو چکا ہے۔ یہ مریل نوجوان جو اس کے سرہانے بیٹھا اپنی مریض ماں کو اب تک گھورے جارہا ہے جو موت سے آخری بار الجھ رہی ہے۔ اس لڑکے کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ کوئی بھوکا گدھ ہو جو ڈھور کے مرنے کا سختی سے انتظار کر رہا ہو۔ آخر موت نے زندگی کی شمع گل کر دی موت کے اس اندھیرے میں لڑکے نے ماں کے جسم پر پڑی ہوئی کمبل جھپٹ لی اور ایک طرف بھاگ نکلا۔ جب اس سے اس کی ماں کے متعلق دریافت کیا گیا تو اس نے اپنی ماں کی لاش کو پہچاننے سے صاف انکار کر دیا شاید اسے ڈر تھا کہ کمبل اس سے چھین نہ لیا جائے۔"(۹)

پریم رتن وہرہ کی آپ بیتی کا ابتدائی حصہ تقسیم ہند کے وقت کی عکاسی کرتا ہے اور تصویر کا وہ رُخ سامنے لاتا ہے جو ہماری آنکھوں سے اوجھل رہا۔ یعنی پاکستان سے جانے والے غیر مسلم افراد سے جو یہاں کے لوگوں نے سلوک کیا وہ انسانیت سوز تھا۔ یہ لوگ بھی اپنے وطن سے اسی طرح جڑے تھے جس طرح کے وہاں سے آنے والے مہاجر، لوگوں کا اپنے گھروں کو چھوڑنا، راستوں میں لڑائی، حملہ، خون، بے گھری، مہاجر کیمپ، بے بسی اور کرب کی تصاویر اس انداز سے قاری کے سامنے پیش کی ہیں کہ انسان سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے اور وہ مذہب جو انسانی بھائی چارے کا درس دیتے ہیں ان کے ماننے والے کہاں رہ گئے ہیں۔ ان کے کردار اور عمل میں فرق کیوں ہے۔ پریم رتن وہرہ نے ان تمام مناظر کو پھر سے ہمارے سامنے زندہ کر دیا ہے کہ ایک اذیت ناک زندگی سانس لیتی محسوس ہوتی ہے۔ پریم رتن نے کراچی اور بمبئی میں پناہ گزینوں کی مدد کی اور ان کے ساتھ مل کر انصاف کے حصول کی بھی کوشش کی۔ یوں ان کے سامنے اس تقسیم کا ایک اور چہرہ سامنے آیا کہ جو لوگ اپنا سب کچھ گنوا چکے ہوں تو پھر انہیں مزید کچھ کھونے کا ڈر نہیں رہتا۔ کراچی میں ہندو مسلم فسادات کے دلوں کا احوال یوں بیان کرتے ہیں:

"انہی دنوں کراچی میں ہندو مسلم فساد پھوٹ پڑا۔ چند سکھ قتل کر دیے گئے لیکن جناح نے ذاتی دلچسپی لے کر غنڈوں کو سخت سزائیں دلوائیں۔ اس واقعہ کے بعد پھر سیلاب امڈ آیا لوگ زیادہ سے زیادہ تعداد میں ہندوستان منتقل ہونا شروع ہو گئے تھے اب میرے لیے زیادہ دن وہاں ٹھہرنا ناممکن سا ہو گیا تھا۔ جب میں وہاں سے چلنے لگا تو گرشاہانی نے اوما اپنی شریمتی جی کو بھی مرے ساتھ کر دیا تھا۔ اب میرا حال بھی ان شرنارتھیوں سے کم نہیں تھا جو پاکستان سے مٹ مٹا کر یہاں آئے تھے اس سے اب غم جاناں کا رنگ پھیکا پڑتا جا رہا تھا اور غم دوراں سے فرصت نہیں تھی۔"(۱۰)

پریم رتن نے کافی وقت فوج میں بھی گزارا۔ اس لیے وہ فوج کے کردار اور سیاست کی صورت حال کو بھی اچھی طرح سے سمجھتے تھے اس لیے انہیں عام لوگوں نسے زیادہ ہمدردی تھی اور جو لوگ اجڑ کر اپنے وطن سے دربدر ہو گئے تھے وہ ان کے قریب رہے اور ہمیشہ ان کی مدد کی۔ انہیں ان شرنارتھیوں میں اپنا آپ نظر آتا تھا۔ جن کے ساتھ بہت ظلم ہوا تھا لیکن وہ اس پر کٹے پرندے کی طرح تھے جو اگر اڑنے کی کوشش کریں گے تو موت کا شکار ہو جائیں گے۔ ان شرنارتھیوں کی اپنی حالت، ہجرت کے دکھ اور غم و غصہ کی کیفیت کی بابت وہ اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں:

"کہتے ہیں بھوک انسان کے ہاتھ میں تلوار تھما دیتی ہے۔ شرنارتھیوں نے حالات سے تنگ آ کر اپنی ایک انجمن بناڈالی اور ان کے خلاف باقاعدہ اندولن چلنے لگا اور یہ طے پایا کہ میں ان سے مل کر بات چیت کروں لیکن وہ اپنے مخصوص انداز میں بگڑ کر بولے میں انجمن کی غنڈہ گردی سے ڈرنے والا آدمی نہیں ہوں۔ یہ آنکھیں انگریز سنگینوں کی چمک دیکھ چکی ہیں۔ مجھے یوں ہی افسر نہیں بنا دیا گیا ہے۔ اس رات ہم نے پورے کیمپ کی ایک میٹنگ طلب کی اور مشعل جلا کر قسم کھائی کہ اس کو ہٹا کر ہی دم لیں گے اور انجمن کا ہر طرح ساتھ دیں گے۔"(۱۱)

پریم رتن کی آپ بیتی میں ایسے بہت سے واقعات درج ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے پاکستان سے ہجرت کر کے آنے والوں کو اپنا سمجھتا اور ان کی ہر طرح سے مدد کی۔ یہ آنے والے انہیں اپنے جیسے معلوم ہوتے تھے جو پہلے اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ ان کی عزتوں کو ان کے سامنے نیلام کیا گیا اور پھر انہیں سرحد سے اس پار دھکا دے گیا گیا کہ اپنی قسمت آزمائیں۔ یہاں آ کر انہوں نے برس ہا برس مہاجر کیمپوں میں دھکے کھائے اور پھر بھی ان کو سماج میں وہ مقام نہیں ملا جو مقامی لوگوں کو حاصل رہا۔ پریم رتن کی آپ بیتی میں تقسیم ہند کے بہت سے پہلو سامنے آتے ہیں جن کی روشنی میں ہم بہت سے معاملات میں نئے سرے سے رائے قائم کر سکتے ہیں۔ اس آپ بیتی میں مذہب اور وطن سے محبت کے دو کلیئے ٹوٹے نظر آتے ہیں۔ کسی ہندو کو بھی پاکستان کی سرزمین سے اتنی ہی محبت ہو سکتی ہے اور وطن کسی مذہب کی میراث نہیں ہوتا بلکہ وطن ان کا ہوتا ہے جو اس دھرتی میں جنم لیتے ہیں اور کسی اور ملک میں رہ کر بھی وہ اسی میں سانس لیتے ہیں۔

پریم رتن نے اپنی آپ بیتی میں ہندوستانی ریاستوں کی لسانی تشکیل کے دور کا بھی بہت عمدہ تجزیہ کیا ہے۔ وہ لسانی تضادات کو بھی سامنے لاتے ہیں۔ جنہوں نے تقسیم کے وقت لوگوں کو بھڑکانے اور تشدد پر ابھارنے پر اکسایا۔ مذہب، جنس، زبان اور سماجی

تضادات یہ وہ بنیادی محرک تھے جنہوں نے تقسیم کے بعد لوگوں کو ایک دوسے کے مقابل آنے پر مجبور کیا کہ وہ لوگ جو صدیوں سے ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہ رہے تھے اچانک رات کی رات ایک دوسرے کے خون کے پیاسے کیسے ہو گئے۔ تقسیم نے صرف دو خطوں کے درمیان سرحد کی لکیر نہیں کھینچی بلکہ اس نے اس مشترکہ تہذیب کا بھی خاتمہ کر دیا جو ایک دوسرے کو برداشت کرنے ان کے ساتھ مل کر ان کی خوشیوں میں شامل ہونے اور مل بانٹ کر کھانے کی تہذیب تھی۔ وہ اپنی آپ بیتی میں الیکشن کی گہما گہمی کو بھی دکھاتے ہیں اور ہندوستان کے ایک شہری کے طور پر اپنے حقوق کی جدوجہد کو سامنے لاتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> "میں انتمام سے جو عدل وانصاف کی کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں اور ان تمام سے جو ارباب اقتدار کہلاتے ہیں ایک سوال کرنا چاہتا ہوں کہ جب ہم اور آپ قانون بناتے اور بگاڑتے ہیں تو کیا قانون کے نگہبانوں کا یہ فریضہ نہیں ہے کہ وہ اپنی عقل سلیم اور ان کو دیئے گئے حقوق کو کام میں لا کر تمام ایسے قوانین کی ترمیم کریں جن سے انسانی حقوق پامال ہوتے ہیں۔" (۱۲)

پریم رتن کی آپ بیتی ایک فرد کی سوانح عمری ہونے کے ساتھ ساتھ ادبی اور تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔ اس آپ بیتی میں تقسیم ہند کے وقت فسادات اور مذہبی ولسانی تعصب کو غیر جانبداری سے دیکھا گیا ہے۔ واقعات کو تسلسل سے بیان کیا گیا ہے۔ قاری کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ سب عمل پھر سے اس کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے۔ خاص طور پر ہماری تاریخ میں یہاں سے جانے والے سکھوں اور ہندوں کو ظالم کے کردار میں پیش کیا گیا ہے جبکہ پریم رتن وہرہ کی آپ بیتی یہاں ایک ہندو کو مظلم دکھاتی ہے۔ اسے بھی اپنے وطن اور جنم بھومی کو چھوڑنے کا اتنا ہی دکھ ہے جتنا کہ وہاں سے آنے والے مہاجرین کو۔ پریم رتن نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہوئے واقعات کو بیان کیا ہے۔ ان کا حافظ اور تجربہ گہرے مشاہدے اور ادراک کا حامل ہے۔ وہ جذباتی ہونے کی بجائے حقائق کو سامنے لے کر آتے ہیں۔ وہ حقائق جو کسی تاریخ کی کتاب میں درج نہیں ہیں۔ اس آپ بیتی سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی فرد کسی گہرے صدمے یا حادثے سے گزرتا ہے تو چیزوں کو دیکھنے اور پرکھنے کا اس کا انداز بدل جاتا ہے۔ وہ ان لوگوں سے بھی بعض اوقات بھلائی کرتا ہے جو اس کے دشمن ہوتے ہیں۔ وہرہ نے ہجرت کر کے ہندوستان جانے والے کتنے ہی مسلمانوں کی مدد کی انہیں اس سماج میں رہنے اور قابل قبول ہونے میں معاونت کی۔

اس آپ بیتی کا ادبی رخ بھی اس کی شگفتہ بیانی، واقعات کے منطقی جڑت، بیان میں روانی، لفظوں کا عمدہ اور برمحل استعمال قاری کو اس سے جوڑے رکھتا ہے۔ وہ پوری آپ بیتی میں دلچسپی کے عنصر کو کم نہیں ہونے دیتے بلکہ قاری کو حیرت اور تجسس میں مبتلا رکھتے ہیں۔ فسادات سے ہندوستان کے بمبئی شہر تک کا سفر بہت سے امتحانات سے ہو کر گزرتا ہے۔ آپ بیتی میں فسادات اور ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والا نیا سماج خاص طور پر موضوع بحث ہیں۔ وہ مسلمانوں کے علاوہ مہاجر ہندوؤں کے مسائل کو سامنے لے کر آتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی سیاست، سیاسی رہنما، مقامی تنظیمیں اور عام فرد کی زندگی کا بدلاؤ ان کی بحث میں شامل ہیں۔ وہ جہاں ایک طرف واقعات کے تسلسل میں قصہ در قصہ اپنی زندگی کی داستان کو بیان کر رہے ہیں تو دوسری طرف اس تمام صورت حال پر غیر محسوس انداز میں تبصرہ بھی کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کا یہ تجزیہ صورتِ حال کو اس انداز سے واضع کرتا ہے کہ بہت سی ان کہی باتوں سے بھی بہت کچھ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ "اٹک سے بمبئی تک" ایک منفرد آپ بیتی ہے جو ہمارے سامنے پورے منظر نامے کو بدل کر رکھ دیتی ہے اور قاری انگشت بداماں اور محوِ حیرت رہ جاتا ہے کہ اچھا! تو ایسا بھی تھا یا یہ بات اس طرح بھی ہو سکتی ہے۔ سماج میں ایک متوازن رائے کے قیام کے لیے اس طرح کی سوچ کو سامنے لانے کی ضرورت ہے تاکہ ہم جذبات، وطنیت اور مذہب کی چادر کو

کھول کر اندھیرے میں روشنی کو دیکھ سکیں۔ چیزوں سے رنگ وروغن اتار کر ان کی اصل کو جانچیں اور مٹی اور وطن کی محبت کے نئے ذائقے سے آشنا ہوں۔

# حوالہ جات


۱۔ پریم رتن وہرہ، اٹک سے بمبئی تک، اٹلانٹس پبلی کیشنز، کراچی، ۲۰۲۳ء، ص:۷

۲۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، نشان جگر سوختہ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص:۱۰

۳۔ سالک علم الدین "آپ بیتیوں کے بعض نمایاں پہلو" مشمولہ نقوش آپ بیتی نمبر ادارہ فروغ اردو، لاہور، ۱۹۶۴ء، ص:۴۱

۴۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، اصنافِ ادب، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۳ء، ص:۱۶۲

۵۔ پریم رتن وہرہ، اٹک سے بمبئی تک، اٹلانٹس پبلی کیشنز، کراچی، ۲۰۲۳ء، ص:۱۹

۶۔ ایضاً، ص:۲۰

۷۔ ایضاً، ص:۲۱

۸۔ ایضاً، ص:۲۴

۹۔ ایضاً، ص:۲۵

۱۰۔ ایضاً، ص:۸۸

۱۱۔ ایضاً، ص:۹۰

۱۲۔ ایضاً، ص:۱۳۱


## Reference in Roman Script:


1. Prem Ratan Vohra, Attock Se Bombay Tak, Atlantis Publications, Karachi, 2023, P:7
2. Saleem Akhtar, Dr, Nishan E Jigar Sokhta, Sang-E-Meel Publications, Lahore, 2005, P:10
3. Salik Ilmuddin, Aap Beetiyon k Baz Numayan Pehlo, Mashmoola: Naqosh (Aap Beeti Number), Idara Faroogh E Urdu, Lahore, 1964, P:41
4. Rafi Uddin Hashmi, Dr, Asnaf E Adab, Sang E Meel Publications, Lahore, 1983, P:162
5. Prem Ratan Vohra, Attock Se Bombay Tak, Atlantis Publications, Karachi, 2023, P:19
6. Ibid, P:20
7. Ibid, P:21
8. Ibid, P:24
9. Ibid, P:25
10. Ibid, P:88
11. Ibid, P:90
12. Ibid, P:131